رپورٹ: شیرل بنارڈ "CIVIL DEMOCRATIC ISLAM" (پہلی قسط)

ترجمہ: سید خورشید عالم

''اچھے مسلمانوں کی تلاش!''

گزشتہ شمارے میں شیرل بنارڈ کی رپورٹ ''سول ڈیموکریٹک اسلام'' کا تجزیہ جناب محمد یونس قادری کے قلم سے ''عالم اسلام کے خلاف مغرب کی نئی حکمتِ عملیاں'' کے عنوان سے قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ ذیل میں اس رپورٹ کا اردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے جسے سید خورشید عالم نے تحریر کیا اور روزنامہ ''اُمت'' کراچی نے ۱۰ تا ۲۷ جولائی ۲۰۰۴ء قسط وار شائع کیا۔ ابتدائی حصہ میں شیرل بنارڈ اور اس کی رپورٹ کا تعارف و تجزیہ ہے اور پھر ترجمہ۔ روزنامہ ''اُمت'' کے شکریے کے ساتھ ہم یہ رپورٹ ہدیہ قارئین کررہے ہیں۔ (مدیر)

مارچ ۲۰۰۴ء میں امریکی ریاست کیلی فورنیا میں قائم تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن نے ''سول ڈیموکریٹک اسلام'' (شہری جمہوری اسلام) کے نام سے ایک رپورٹ جاری کی ہے۔ یہ رپورٹ رینڈ کارپوریشن کی سینئر پولیٹیکل سائنٹسٹ شیرل بنارڈ (CHERYL BENARD) نے مرتب کی ہے۔ یہ خاتون آسٹریلین یہودی ہیں۔ زلمے خلیل زاد کی بیوی ہیں۔ زلمے خود بھی سی آئی اے کے پیرو پر برسوں کام کرتے رہے ہیں۔ اس نے دنیا میں مسلمانوں کے رجحانات اور تحریکات خصوصاً مغربی ممالک میں ان کے رجحانات اور تحریکات کا بغور جائزہ لیا ہے۔ اس نے امریکی اور یورپی پالیسی سازوں کے سامنے ایک حکمت عملی (اسٹریجی) پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد اسلام سے بہتر طریقے سے نمٹ سکیں۔

شیرل بنارڈ کا کہنا ہے کہ یہ بات امریکی مفادات میں ہے کہ وہ ''تہذیبوں کے تصادم'' سے بچتے ہوئے اس اسلام کی سرپرستی کرے جو ''جمہوری ہو۔ اقتصادی طور پر اور سیاسی طور پر بھی مستحکم ہو۔ سماجی حوالے سے ترقی پسند ہو اور جو بین الاقوامی قواعد وضوابط پر پورا اترتا ہو۔''

مذکورہ رپورٹ میں امریکیوں کے لیے ''ہم'' (US) اور مسلمانوں کے لیے ''ان۔ وہ'' (THEM) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جس سے خود تہذیبوں کے تصادم کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ کوئی نجی گفتگو ہے جس میں مسلمانوں کی شمولیت ضروری نہیں۔ اس رپورٹ کا مقصد یہ ہے کہ واشنگٹن کے باخبر حلقے ''ان'' مسلمانوں سے اچھی طرح نمٹ سکیں۔ یہ رپورٹ بعینہ اسی اسلوب میں لکھی گئی ہے جیسے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ایسے سینکڑوں میمو تحریر کئے گئے تھے جن میں ''نیگرو مسئلے'' سے نمٹنے کا طریقہ بیان کیا گیا تھا۔

اس رپورٹ میں شیرل برنارڈ کہتی ہیں کہ اگر امریکی اور دیگر مغربی حکومتیں مسلم انقلاب پسندی کو شکست دینا

چاہتی ہیں تو انہیں عملی طور پر اسلام کے اندر ان رجحانات کی حمایت کرنی ہوگی جو مغرب کے تعمیر کردہ لبرل مقاصد سے قریب ترین ہوں گے۔ شیرل بنارڈ کا کہنا ہے کہ حکومتوں اور میڈیا نے مسلم سوچ میں موجود لبرل کو نظر انداز کر رکھا ہے۔ اپنی رپورٹ میں شیرل بنارڈ نے مسلمانوں کو ''بنیاد پرست'' (فنڈامنٹلسٹ) اور ''روایت پسند'' (ٹریڈیشنلسٹ) میں تقسیم کیا ہے۔ روایت پسند مسلمانوں نے زیادہ تر امریکی اور یورپی مساجد میں کنٹرول حاصل کرنے کے علاوہ مسلم تنظیموں میں بھی اپنا اثر ورسوخ قائم کرلیا ہے اور ان مساجد سے ان کے رہنماؤں کو اپنی مذہبی رواداری کے اظہار کے مواقع بھی ملتے ہیں۔

شیرل بنارڈ کا کہنا ہے کہ قدامت پسند مسلمان اگرچہ واضح طور پر نظر آسکتے ہیں تاہم انہیں تمام مسلم کمیونٹی کا نمائندہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کا کہنا ہے کہ قدامت اور روایت پسند افراد اقلیت میں ہیں۔

شیرل بنارڈ نے لبرل مسلمانوں کے لیے ''جدّت پسند'' (MODERNISTS) کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے لبرل طبقے کے لیے سیکولرسٹس (SECULARISTS) کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جدت پسند اور سیکولرسٹس طبقہ منظّم نہیں اور اس کے پاس فنڈز کی کمی ہے۔ یہ طبقہ مغرب میں رہائش پذیر کروڑوں مسلمانوں کا اکثریتی طبقہ ہے۔ وہ اسلام کی نئی تشریح (REINTERPRETATION) کی خواہاں ہے۔

امریکی خارجہ پالیسی کے حوالے سے مسلم قدامت پسند تحریکوں کی حوصلہ افزائی خصوصاً سعودی عرب جیسے تھیوکریسی والے ملک کے ذریعے امریکا کی کلیت پسند حکومتوں مثلاً مصر کی مالی اور فوجی اعانت پر بھی اس رپورٹ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکی پالیسی سازوں نے انتہا پسند مسلم تحریکوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ بعض ممالک میں بنیاد پرست تحریکوں مثلاً اخوان المسلمون اور حماس نے اپنے تعلیمی اداروں اور ہسپتالوں کے ذریعے وہاں کے معاشرتی ڈھانچے میں اپنی جگہ بنالی ہے۔ رینڈ کارپوریشن کی مذکورہ رپورٹ میں امریکی خارجہ پالیسی پر تنقید کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ رینڈ کارپوریشن بظاہر ایک نیم سرکاری ادارہ ہے جو ''قومی سلامتی'' (نیشنل سیکورٹی) کی صفت سے قربت رکھتا ہے۔

شیرل بنارڈ آج کل قطر کے دارالحکومت دوحہ میں مقیم ہے۔ اس نے بیروت کی امریکن یونیورسٹی اور ویانا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ ویانا یونیورسٹی سے شیرل نے پولیٹیکل سائنس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ کئی کتابوں کی مصنفہ ہے۔

دنیا کے سب سے معروف مسلم آن لائن میگزین ''مسلم ویک اپ'' کو دیئے گئے انٹرویو میں شیرل بنارڈ نے ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' عراق میں امریکی پالیسی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں مسلم ویک اپ کے احمد نصیف کو بتایا کہ وہ عراق میں ہونے والی کارروائی کی وکیل نہیں۔ اس نے تسلیم کیا کہ عراق میں اختیار کی گئی پالیسیوں کے سبب مشرق وسطیٰ میں اجتماعیت پر مبنی رجحانات کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ اس نے تسلیم کیا کہ متعدد وجوہ کی بنیاد پر لوگوں میں بیداری پیدا ہوئی اور ان میں صورت حال کی نزاکت کے بارے میں ادراک پیدا ہوا۔ ان میں یہ احساس پیدا ہوا کہ وہ کسی

ہاتھی کے پاؤں تلے کچلے جانے سے بچنے کے اقدامات کریں۔قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لیے اس رپورٹ کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

عہد حاضر میں اسلام کو متعدد داخلی و خارجی جدو جہد کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان کا تعلق اسلامی اقدار' اسلامی شناخت اور دنیا میں اسلام کے مقام کے حوالے سے ہے۔ روحانی اور سیاسی تسلط کے لیے متضاد آراء ایک دوسرے کے مقابل ہیں اس تنازعے کے اثرات دنیا کی معیشت' سماجی' سیاسی اور سیکورٹی کی صورت حال پر مرتب ہو رہے ہیں۔

یقینی طور پر امریکا' جدید صنعتی دنیا اور بین الاقوامی برادری اس اسلامی دنیا کو ترجیح دے گی جو جمہوری' اقتصادی اور سیاسی حیثیت سے مستحکم ہو' سماجی طور پر ترقی پسند ہو اور بین الاقوامی قواعد وضوابط پر پوری اترتی ہو۔

اسلام کے بحران کے دو پہلو ہیں: اوّل کامیابی سے نہ چل پانا اور دوم یہ کہ عالمی مرکزی دھارے سے کٹ جانا۔ اسلامی دنیا طویل عرصے تک پسماندگی سے دوچار رہی ہے۔ یہاں قومیت' پین عرب ازم' عرب سوشلزم اور اسلامی انقلاب جیسے تجربات کئے جاتے رہے جو کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے۔جس کی وجہ سے یہاں غصے اور فرسٹریشن میں اضافہ ہوا۔

یہ نظریہ کہ بیرونی دنیا کو اسلام کی جدید اور معتدل پسند تشریحات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔گزشتہ کئی دہائیوں سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔تاہم ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد اس کی اہمیت اور ضرورت میں اضافہ ہو چکا ہے اس ضمن میں تعمیری اپروچ کی ضرورت ہے۔اسلام ایک اہم مذہب ہے جس کے سیاسی وسماجی اثرات موجود ہیں۔یہ نظریاتی وسیاسی اعمال پر اثر انداز ہوتا ہے جن میں کچھ عالمی استحکام کے لیے خطرناک ہیں۔اس لیے انہیں روکنا ضروری ہے اس لیے ایک معتدل، جمہوری، پُرامن اور برداشت کے حامل سماجی نظام کے قیام کی ضرورت ہے۔اہم سوال یہ ہے کہ اس مرحلے کو کیسے طے کیا جائے۔اس رپورٹ میں انہی نکات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے فوری بعد مغرب کے سیاسی رہنما اور پالیسی سازوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ان واقعات میں اسلام کو موردالزام نہیں ٹھرایا جا سکتا۔ نیز یہ بھی کہا گیا کہ اسلام ایک مثبت قوت ہے اور یہ امن اور تحمل پر یقین رکھنے والا مذہب ہے۔مغربی رہنماؤں نے مساجد اور عوامی مقامات پر اس حوالے سے اپنی آراء کا اظہار کیا اور مسلم دینی رہنماؤں اور علماء کو دعوت فکر وعمل دی اور قرآنی سورتوں کا حوالہ بھی دیا۔خود صدر بش نے بھی اس بات کا اقرار کیا کہ ''اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے جس کے ماننے والوں کی تعداد دنیا میں ایک ارب سے زائد ہے۔اس مذہب میں مختلف رنگ ونسل سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہیں۔یہ مذہب نفرت کے بجائے محبت کا پیغام دیتا ہے''۔

مغربی رہنماؤں کی یہ کوشش تھی کہ ان کے ملکوں میں مسلم اقلیتوں کے ساتھ تصادم کے واقعات کے سدِّ باب کے اقدامات کیے جائیں۔ان دنوں خارجہ تعلقات کے حوالے سے دو محرقات پیش نظر تھے۔ایک قلیل المدت اور دوسرا طویل المدت تھا۔

قلیل مدت حکمت عملی یہ تھی کہ مسلم حکومتوں کو سیاسی طور پر اس بات کے لیے آمادہ کیا جائے کہ دہشت گردی کے خلاف کوششوں میں تعاون کریں اور اسلام سے دہشت گردی کے تعلق کو ختم کر ڈالیں۔ طویل مدت پالیسی کے مطابق مغربی رہنماؤں نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ ایک ایسا منظر نامہ تشکیل دیں' جہاں اسلامی سیاسی کرداروں اور ریاستوں کو ایک جدید اور بین الاقوامی نظام میں بہتر انداز میں ضم کرنے میں آسانی ہو سکے۔

دانش ور حلقوں میں فوری طور پر اس بات کا ابلاغ ہو گیا اور انہوں نے اس نظریے کو بیان کرنا شروع کیا کہ اسلام سب سے کم ہم آہنگ مذہب ہے۔ اس میں اعتدال، جدیدیت، تحمل اور جمہوریت کی کوئی گنجائش نہیں۔

مسلم دنیا اور اس سے باہر لبرل اسکالرز اس بحث میں مشغول تھے جو آزاد خیال اور متحمل اسلام کی حمایت کرتا تھا جبکہ دہشت گرد عناصر کو اپنے اقدامات کو بھی اسلام سے منسوب کر رہے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ ان کا مشن اور طریقہ کار براہِ راست مذہب کا عکاس ہے۔ ۱۱ ستمبر کے واقعات کے ایک سال گزر جانے کے بعد بنیاد پرست مسلم عناصر لندن میں جمع ہوئے تا کہ ۱۱ ستمبر کے واقعات کی یاد تازہ کر سکیں۔

مغربی رہنماؤں اور ان کی حامی مسلم حکومتوں نے اس امر کی بھرپور کوشش کی کہ دہشت گردوں کی مقاصد سے اسلام کو دور رکھا جائے۔ اس حوالے سے بنیاد پرست ایک طرف ہو چکے تھے۔ ۲۱ ستمبر ۲۰۰۲ء کو پاکستان کی ایک بنیاد پرست سیاسی پارٹی جماعتی اسلامی کے رہنما قاضی حسین احمد نے کہا تھا کہ: ''امریکہ اسلام کا بدترین دشمن ہے۔'' انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''دہشت گردی کے خلاف بننے والا نام نہاد اتحاد دراصل اسلام مخالف اتحاد ہے اور اس کا مقصد دنیا سے مسلمانوں کا خاتمہ ہے۔''

متعدد مغربی رہنماؤں کا موقف تھا کہ دہشت گردوں کی مخالفت کا مقصد یہ تھا کہ وہ ''مذاہب کے تصادم'' سے بچنا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ انتہا پسندوں کو اسلام کی توجیہہ پیش کرنے کا موقع ملے۔ یہ بات آسان نہیں کہ دنیا کے بڑے مذہب کو اس طرح تبدیل (TRANSFORM) کیا جائے۔ اگر ''قومی تعمیر'' ایک حوصلہ شکن کام ہے تو ''مذہبی تعمیر'' اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور پُر خطر کام ہے۔ اسلام ایک متجانس (HOMOGENEOUS) وجود نہیں اور نہ ہی یہ ایک سادہ سسٹم ہے۔ اس مذہب کے ساتھ متعدد غیر متعلق ایشوز اور مسائل لاحق ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اسلامی کردار جان بوجھ کر اس پورے معاملے کو ''اسلامائز'' کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ انہیں مقاصد پورے کرنے میں آسانی ہو۔

اسلام کے موجودہ بحران کے دو پہلو ہیں۔ اسلامی دنیا طویل عرصے سے پسماندگی سے دوچار رہی ہے۔ نیز یہاں طاقت کا فقدان رہا ہے۔ یہاں مختلف اوقات میں مختلف حل پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر نیشنل ازم (قومیت) پان عرب ازم، عرب سوشلزم اور اسلامی انقلاب وغیرہ کے تجربات کئے جاتے رہے ہیں اور ان میں کامیابی حاصل نہیں ہو پائی ہے۔ جس سے فرسٹریشن اور غصے میں اضافہ ہوا ہے۔

اس عرصے میں اسلامی دنیا ہم عصر عالمی ثقافت اور عالمی معیشت کے حلقے سے باہر نکل آئی ہے۔اس حوالے سے یہاں مسلمانوں کے چار قابل ذکر گروپس کا تقابل پیش کیا جا رہا ہے۔

(ا)بنیاد پرست(FUNDAMENTALISTS):

یہ عناصر اسلام کا جارح اور توسیع پسند رخ پیش کرتے ہیں جو تشدد سے شرمسار نہیں ہوتا۔ یہ عناصر سیاسی اقتدار کے خواہاں ہیں اور سخت اسلامی قوانین کے نفاذ کے خواہاں ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ان قوانین کو پوری دنیا پر جبراً نافذ کیا جانا چاہیے۔ان کا حوالہ قومی ریاست یا کوئی مخصوص نسلی گروپ نہیں بلکہ پوری مسلم کمیونٹی ہے۔ جسے وہ ''امہ'' کہتے ہیں۔

بنیاد پرست عناصر کے دو طبقے ہیں۔ایک وہ جو دینیات (THEOLOGY) پر یقین رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مختلف مذہبی ادارے قائم کیے جائیں۔اس گروپ میں ایران کے شیعہ انقلابی شامل ہیں جبکہ دوسرا طبقہ سنیوں کا ہے۔ جو خاص طور پر سعودی عرب کے وہابیوں پر مشتمل ہے۔ یہ عناصر بظاہر کسی مذہبی ادارے سے وابستہ دکھائی نہیں دیتے۔مگر یہ اپنے فہمِ اسلام میں یکتا اور ناصحانہ رویہ رکھتے ہیں۔القاعدہ' افغان طالبان' حزب التحریر اور بڑے پیمانے پر دیگر اسلامی انتہا پسند تحریکیں اسی کیٹیگری سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ عناصر ماضی کے طریقہ کار کو نا صرف قبول کرتے ہیں بلکہ یہ ان میں توسیع بھی چاہتے ہیں۔ یہ زیادہ سخت طریقہ کار اختیار کرنے کے حامی ہیں۔انہوں نے قرآن وسنت میں ترقی پسند اور تحمل پر مبنی رویہ اختیار کرنے کے بجائے بزعم خود نئے قواعد اخذ کر لیے ہیں۔تقریباً تمام ہی بنیاد پرست عناصر دہشت گردی کی حمایت کرتے ہیں بلکہ ان کی اس نوعیت کی سرگرمیوں میں ''دشمن'' کے ساتھ مسلمان بھی مارے جاتے ہیں۔

(۲)روایت پسند(TRADITIONALISTS):

یہ عناصر بھی دو گروہوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔یعنی قدامت پسند روایت پسند گروپ اور اصلاح پسند روایت پسند گروپ۔اوّل الذکر کا خیال ہے کہ اسلامی قانون اور روایت پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔اس مقصد کے لیے وہ ریاست کے کردار اور سیاسی حکام کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ گروپ دہشت گردی اور تشدد پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ عناصر تاریخی طور پر بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے عادی ہیں۔ان کا موقف ہے کہ اگر اسلامی حکومت موجود نہ ہو تب بھی روزمرہ زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق گزارنی چاہیے۔ان کی نظر میں جدید طرزِ زندگی ایک بڑا خطرہ ہے۔ یہ تبدیلی کے راستے میں مزاحم ہوتے ہیں۔اسی گروپ میں اسلامی دنیا، تیسری دنیا اور مغرب میں رہنے والوں میں اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔روایت پسندوں کا دوسرا گروپ یعنی اصلاح پسند طبقہ ہمیشہ قابلِ توجہ اور موجود رہا ہے۔ یہ گروپ اصلاح کے لیے ہونے والے مباحثوں کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ یہ طبقہ نئی تعبیرات وتشریحات کے لیے بھی تیار رہتا ہے۔ان میں لچک پائی جاتی ہے۔

(۳) جدّت پسند (MODERNISTS):

یہ عناصر اسلام کے موجودہ فرسودہ (آرتھوڈکس) نظام میں دوررس تبدیلیوں کے حامی ہیں۔ یہ مقامی اور علاقائی نقصان دہ طریقوں اور روایتوں کو ختم کرنے کے حامی ہیں۔ یہ عناصر اسلام کی تاریخیت پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ جس اسلام پر حضرت محمد (ﷺ) کے دور میں عمل کیا جاتا تھا۔ اس میں آفاقی سچائی موجود تھی اس وقت کے تاریخی حالات میں اس پر عمل درآمد موزوں تھا۔ تاہم اب اس اسلام پر عمل ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ (VALID) نہیں رہا۔

(۴) سیکولرسٹس (SECULARISTS):

یہ عناصر کا موقف ہے کہ مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ ہونا چاہیے۔ اسے سیاست اور ریاست سے بالکل علیحدہ ہونا چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ ریاست کو فرد کے مذہب میں کسی بھی طور پر مداخلت کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔ تاہم مذہبی رسوم کو انسانی حقوق اور ملکی زمین کے قانون سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ ترکی کے کمال اتاترک جنہوں نے مذہب کو ریاست کے سخت کنٹرول میں دے دیا تھا۔ وہ اسی اسلامی ماڈل کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مذکورہ گروپوں میں بظاہر کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ البتہ ہم عصر اسلامی مباحثے میں ان گروہوں کے تضادات نظر آتے ہیں۔ ہم عصر اسلامی جدوجہد میں یہ اپنے کنٹرول کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

سیکولر طبقوں کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اسلام کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔ معتدل مزاج سیکولرسسٹ طبقہ یہ چاہتا ہے کہ ریاست اس بات کی ضمانت دے کہ لوگ اپنے عقیدے کے مطابق عمل کرنے میں آزاد ہوں۔ ان کے نزدیک مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے اور یہ انسانی حقوق اور شہری قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ **شدت پسند سیکولرسسٹ** جن میں کمیونسٹ اور غیر دین دار افراد شامل ہیں وہ کلی طور پر مذہب کے ہی خلاف ہیں۔

قدامت پسند روایت پرست افراد قرآن وسنت، اسلامی قوانین، فتاویٰ اور قابلِ احترام علماء کے فیصلوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ **اصلاح پسند روایت پرست** افراد بھی انہی ذرائع کو اختیار کرتے ہیں۔ تاہم یہ اسلام کی متبادل تشریحات کی تلاش بھی جاری رکھتے ہیں۔ یہ افراد اسلام اور جدیدیّت کے درمیان کشمکش سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا اسلام مستقبل میں بھی کارآمد رہے۔

بنیاد پرست عناصر اسلام کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہتے ہیں۔ غیر اخلاقی سرگرمیوں کے سدِّ باب کے لیے عورتوں اور مردوں کو الگ تھلگ رکھا جاتا ہے۔ خواتین کو معاشرتی سرگرمیوں سے الگ رکھا جاتا ہے۔ ریاست کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر جگہ اسلامی قواعد کو نافذ کرنے کے اقدامات کرے۔ نظریاتی اعتبار سے یہ اپنے نظام کو پسند کرتے ہیں۔ اور اسے ہر جگہ نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

جدت پسندوں کا نقطہ نظر ایک ایسا معاشرہ ہے جہاں افراد اپنے اپنے تقوے کے مطابق اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ ان کا نظام دیگر مذاہب کے ساتھ پُر امن طریقے سے ایڈجسٹ ہو جاتا ہے۔ بنیاد پرست اور جدت پسند دونوں ہی اپنے اپنے آئیڈیل وژن کو اپنے مسائل کے حل کے لیے بطور حوالہ استعمال کرتے ہیں۔ گو کہ اسلام میں نئی ایجادات و اختراعات کی کوئی گنجائش نہیں تاہم یہ اسے مختلف طور پر بیان کرتے ہیں۔

انتہا پسند بنیاد پرست اجتہاد کو اعلیٰ مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تشریحات کے اعتبار سے یہ ایک متنازعہ طریقہ ہے۔ کوئی روایت پسند شاید ہی اس دلیل کو تسلیم کرے گا کہ قرآن اور حدیث کا ''تکنیکی اعتبار'' سے دفاع کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ نبی ﷺ کی روایت کی روح کے عین مطابق نہیں ہے۔ اس لیے انہیں ترک کر دینا چاہیے۔

جب امریکی حکومت کی ایجنسیاں مسلم خواتین کے سر ڈھانپنے کے حق کو تسلیم کر لیتی ہیں تو گویا وہ ڈریس کوڈ کے اس تقاضے کو برداشت اور تحمل کے اس سگنل کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے ایک علامت کے طور پر تسلیم کر رہی ہوتی ہیں۔ اس طرح وہ بنیاد پرستوں اور قدامت پرست روایت پسندوں سے ہم آہنگ ہونا چاہ رہی ہوتی ہیں۔

جمہوریت اور انسانی حقوق:

انتہا پسند بنیاد پرست عناصر سیاسی نظریات کے بارے میں جو آراء رکھتے ہیں۔ انہیں حزبِ اسلامی اور حزبُ التحریر جیسے دو ذرائع سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ حزبِ اسلامی کے مطابق پارلیمنٹ اور دیگر جمہوری ادارے ''شرک'' کے کھلے مظاہر ہیں۔ جہاں عوام کو اقتدار سونپ کر اللہ سے مقابلے کی تیاری کی جاتی ہے۔ جو ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ یہ تخلیق کے مقاصد سے متضاد بھی ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک صحیح نظام نافذ کیا جائے

گرین کا کہنا ہے کہ..... ''یہ تہذیبوں کا تصادم نہیں ہے اور نہ ہی یہ ثقافتوں کا ٹکراؤ ہے۔ اسلام مغرب کا مخالف نہیں یہ کسی کا بھی مخالف نہیں۔ بلکہ ان کا واحد مقصد دنیا میں اسلام کو کلی طور پر نافذ کرنا ہے۔ جہاد کی تین خصوصیات ہیں پہلی یہ کہ تمام شکوک کو دور کر لیا جائے اس کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی سرزمین کو دشمن کے قبضے سے آزاد کرایا جائے اور حتمی مرحلہ یہ ہے کہ ایمان نہ رکھنے والوں پر اللہ کے نظام کو نافذ کرنے کے لیے اُن سے لڑائی کر کے کھلا راستہ بنایا جائے۔''

بالکل اسی طرح حزب التحریر بھی خود کو ایک سیاسی پارٹی قرار دیتی ہے۔ جس کا نظریہ (آئیڈیالوجی) اسلام ہے یہ خلافت کے نظام کا احیاء چاہتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ..... ''دستور کو اسلامی ہونا چاہیے کیونکہ جمہوری نظام ''کفر'' پر مبنی ہوتا ہے جبکہ اسلامی نظام میں شریعت کو بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ اسلامی نظام میں امت بالادست نہیں ہوتی۔ اصل قانون ساز اللہ ہے جبکہ خلیفہ صرف کتاب وسنت کے مطابق دیئے گئے حق کو استعمال کرتا ہے۔ اسی لیے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اسلام ایک جمہوری نظام کا تقاضا کرتا ہے۔ یا کسی اسلامی جمہوریہ کی بات کی جائے۔''

کثیر الازدواجی:

بنیاد پرست عناصر کثیر الازدواجی کو تسلیم کرتے ہیں ۔ اس عمل کو افغانستان میں طالبان نے دوبارہ متعارف کرایا۔اس عمل کا وہاں درست استعمال نہیں کیا جا سکا۔کثیر الازدواجی کا ایک شاخسانہ بچپن کی شادیاں بھی ہیں ۔ بنیاد پرست معاشروں میں یہ عام سی بات سمجھی جاتی ہے۔

طالبان اور افغانستان میں موجود القاعدہ جبری شادیوں کو بھی درست قرار دیتے رہے ہیں ۔اس عمل کی قرآن بھی جنگ کے پس منظر میں اجازت دیتا ہے ۔مغرب میں رہائش پذیر اصلاح پسند روایت پسند اور قدامت پرست روایت پسند کثیر الازدواجی کی توثیق نہیں کرتے ۔ان کی اکثریت اسے تسلیم بھی نہیں کرتی ۔ان کا موقف یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جہاں بھی رہیں وہاں کے ملکی قوانین کا احترام کریں۔

البتہ وہ اس بات پر معترض نہیں ہوتے کہ اگر کسی مسلمان کی ایک بیوی اپنے ملک میں موجود ہے اور وہ پردیس آنے کے بعد یہاں دوسری شادی کر لیتا ہے چاہے وہ حصول علم یا ملازمت کے لیے پردیس آیا ہوا ہو۔ایک اسلامی ویب سائٹ میں ایسے ہزاروں افراد کے لیے جو پردیس میں دوسری شادی کے خواہاں ہوں موزوں رشتوں کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔

روایت پسند جو جدت پسندوں کے زیادہ قریب سمجھے جاتے ہیں وہ کثیر الازدواجی کو ناپسند کرتے ہیں ۔اس حوالے سے کوئی شبہ نہیں کہ قرآن ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دیتا ہے اور حضرت محمد (ﷺ) اور دیگر اسلامی شخصیات نے اس پر عمل بھی کیا ہے تاہم روایت پسند بھی اس عمل کو تسلیم کر کے اس کا دفاع کرتے ہیں۔

جب تک (حضرت) خدیجہ (رضی اللہ عنہا)' (حضرت) محمد (ﷺ) کی اہلیہ تھیں' اس وقت تک انہوں نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ان دنوں ان پر اسلامی احکامات کا نزول ہونا شروع ہوا۔مسلمانوں کا کہنا ہے کہ ان کے پیغمبر کی ایک سے زائد شادیوں کا مقصد اتحاد کے قیام' سیاسی ضرورتوں اور فلاحی مقاصد کے لیے تھا' نہ کہ ذاتی مقاصد کے لیے۔ان کا موقف ہے کہ ان شادیوں کے ذریعے کوئی سیاسی اتحاد قائم کیا گیا یا کسی دوست کی بیوہ کی کفالت کی گئی۔

مسلمانوں کے ابتدائی ادوار میں کثیر الازدواجیت ایک ''فلاحی منصوبہ'' (ویلفئر پروجیکٹ) تھا۔یہ مردوں کی کمی کا ایک جواب بھی تھا۔کیونکہ مردوں کی اکثریت جنگ میں کام آجاتی تھی ۔جس کی وجہ سے عورتوں کی تعداد زیادہ رہتی تھی ۔ان بیواؤں کو تحفظ کی ضرورت پیش آتی تھی۔

ایک سے زائد شادیوں نے اسلام سے قبل کے معاشرے میں عورتوں کے غلط استعمال کے رجحان کو روک دیا۔ شادی کو چار بیویوں تک محدود کر دیا گیا ۔ یہ شرط رکھی گئی کہ مرد ان چار عورتوں سے یکساں سلوک روا رکھے گا ۔اس طرح عورتوں کے قانونی اور معاشی حقوق کے تحفظ کی ضمانت لی گئی ۔(جاری ہے)